گھروں کو جنت نشان بنانے کیلئے بہترین قرآنی دعا

متقیوں کا امام بننے کیلئے خود متقی بنیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ ؍جولائی ۱۹۹۰ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۵﴾ (الفرقان:۷۵)

پھر فرمایا:

گزشتہ جمعہ میں میں نے اس آیت کے مضمون پر کچھ روشنی ڈالی تھی اور یہ ذکر کیا تھا کہ یہ بہت ہی وسیع مطالب پر حاوی آیت ہے اور تھوڑے وقت میں اس کے تمام پہلوؤں پر اختصار کے ساتھ بھی روشنی نہیں ڈالی جاسکتی۔ آج میں بعض اور پہلوؤں سے اس آیت کے مضمون کو آپ پر واضح کرنا چاہتا ہوں تا کہ اس کو اچھی طرح سمجھ کر اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکیں۔

غالباً ایک دو سال پہلے کی بات ہے کہ میں نے اسی آیت پر ایک یا دو خطبات دیئے تھے اور میرا خیال تھا کہ اگر تمام احمدی خاندان اس دعا کو اپنالیں اور اسے وظیفہ بنا کر ہمیشہ اس سے چمٹے رہیں تو اس کے نتیجے میں ہمارے معاشرے میں عظیم الشان پاکیزہ تبدیلیاں پیدا ہو جائیں گی اور وہ تمام گھریلو مسائل جن کو نہ امور عامہ حل کرسکتی ہے نہ قضاء حل کرنے میں کامیاب ہوسکی وہ اسی آیت کی برکت سے سلجھ جائیں گے لیکن چونکہ مسلسل ایسی شکایات پہنچتی رہتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی

ہمارے بہت سے گھر ایسے ہیں جو اس آیت کی دعا کی برکت سے محروم ہیں اور اس دنیا میں وہ گھر سکینت نہیں بن سکے اور جنت نشان نہیں کہلا سکتے جبکہ ہم نے تمام دنیا کے گھروں کو سکینت عطا کرنی ہے اور چونکہ اس آیت کا مضمون صرف حاضر ہی سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ مستقبل سے اور بہت دور تک مستقبل سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس آیت کو نہ صرف موجودہ نسلوں کی تربیت میں اور گھروں کے ماحول کو بہتر بنانے میں ایک گہرا دخل ہے بلکہ آئندہ زمانوں کی نسلوں کو سنبھالنے کا بھی اس آیت کے مضمون سے گہرا تعلق ہے۔

پہلی بات جو آج میں آپ کے سامنے رکھنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ دعا حقیقت میں ایک ایسی نفسیاتی کیفیت کا تقاضا کرتی ہے جو اگر حاصل ہو جائے تو اس دعا کی قبولیت کا ایک نشان وہیں اسی دل میں ظاہر ہو جاتا ہے اور اگر حاصل نہ ہو تو جتنا چاہیں یہ دعا کرتے چلے جائیں اس دعا کو قبولیت کا پھل نہیں لگے گا۔ مثلاً وہ خاوند جو اپنی بیویوں سے مستقل بد اخلاقی کا سلوک کرتے ہیں اور بدزبانی کا سلوک کرتے ہیں اور نیچا دکھانا چاہتے ہیں اور گھر میں ان کو لونڈیوں کی طرح تابع فرمان اور کام کرتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں، وہ اگر اس کیفیت کو تبدیل نہ کریں تو یہ دعا ان کے منہ سے نکل ہی نہیں سکتی۔ جب تک ان کے دل میں یہ خواہش پیدا نہ ہو کہ یہ بیوی جس کو میں چڑیل سمجھتا ہوں جس کے ساتھ میں لونڈیوں سے بدتر سلوک کرتا ہوں، جس کی اس کی اولاد کے سامنے بے عزتی کرتا ہوں۔ میں اس بیوی سے تسکین مانگ رہا ہوں کیسے ممکن ہے؟

پس جو شخص واقعۃً دل کے خلوص کے ساتھ اسی بیوی سے تسکین چاہتا ہے جس سے وہ بدسلوکی کر رہا ہے جب تک اپنی کیفیت میں اور اپنے سلوک میں تبدیلی پیدا نہیں کرتا اس وقت تک نہ یہ دعا اس کو زیب دیتی ہے نہ اس کے منہ سے نکل سکتی ہے اور اگر کرے گا بھی تو ایک کھوکھلی اور بے معنی آواز کے سوا اس دعا کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔

پس وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے تنافر کے باوجود ان سے مزاج کی دوری کے باوجود اور اس بحث میں پڑے بغیر کہ قصور ان کا ہے یا بیوی کا ہے دیانتداری اور اخلاص کے ساتھ خدا کے حضور اپنے معاملات پیش کر دیتے ہیں اور یہ عرض کرتے ہیں کہ ہم اپنے تعلقات کو سلجھا نہیں سکے اگر ایک مرد ہے تو یہ دعا کرے گا اور عورت ہے تو وہ بھی یہ دعا کرے گی کہ جہاں تک میری کوششوں کا تعلق ہے اگر ان

کو دیکھا جائے تو اب تک یہ گھر سدھر نہیں سکا اور ہمارے تعلقات میں اسی طرح تلخیاں چلی آرہی ہیں۔ میں خلوص نیت سے یہ چاہتا ہوں یا چاہتی ہوں جو بھی صورت ہو، یا اگر جمع کے صیغے کے لحاظ سے مضمون کو پیش نظر رکھیں تو ہم کے ذریعے اس بحث میں پڑے بغیر کہ مرد دعا کر رہا ہے یا عورت دعا کر رہی ہے مضمون اسی طرح بغیر کسی رخنہ کے حل ہو جاتا ہے تو یہ دعا کریں یعنی دونوں اپنی اپنی جگہ کہ ہم تو اپنے تعلقات کو سلجھانے میں ناکام رہے ہیں لیکن ہماری خواہش یہی ہے کہ جیسے تو نے ہمیں سکھایا ہم ایک دوسرے سے سکینت حاصل کریں اور ایک دوسرے سے آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل کریں۔ یہ دعا کرنے سے پہلے مقبول ہو جاتی ہے۔ یعنی ایک حصے کے لحاظ سے کیونکہ یہ دعا کرنے والے اگر مخلص ہیں تو لازماً وہ اپنے رجحان میں ایک بنیادی تبدیلی پیدا کر کے یہ دعا کرتے ہیں اور باقی جو حصہ ہے وہ خدا پر چھوڑ دیتے ہیں۔ پس جیسے کہا جاتا ہے کہ آدھی جنگ تو لڑی گئی اور آدھے حصے پر تو انسان فتح یاب ہو گیا، ویسی ہی کیفیت اس دعا کی ہے جب خلوص نیت کے ساتھ کی جائے تو گویا آدھی جنگ تو لڑی گئی اور آدھا ملک فتح ہو گیا اور باقی حصہ جو ہے وہ خدا پر چھوڑا جائے تو لازماً ایسے مخلص انسانوں کے لئے خدا تعالیٰ حالات کو تبدیل کر دیتا ہے۔

جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے جن لوگوں کے آپس کے تعلقات بگڑے ہوئے ہوں یا نہ بھی بگڑے ہوئے ہوں لیکن ان میں رعونت کا دخل ہو اور دونوں طرف انانیت کا دخل ہو یا بچپن کی غلط تربیتوں نے ان کو اس بات کا اہل ہی نہ چھوڑا ہو کہ حسن معاشرت کر سکیں، ایسے لوگ یہ دعا نہیں کر سکتے اور جب تک یہ دعا نہ کریں ان کے حالات بدل نہیں سکتے۔ ان تعلقات پر جب نظر پڑتی ہے تو بہت سے مختلف ایسے گوشے ہیں جن میں ہمیں بہت ہی زیادہ تکلیف دہ صورت حال دکھائی دیتی ہے۔ میں ان تمام امور کا ذکر تو یہاں نہیں کر سکتا جو مجھ تک مختلف ذرائع سے پہنچتے رہتے ہیں اور نفسیاتی لحاظ سے ویسے ہی مجھے ایک اندازہ ہوتا ہے کہ بگڑے ہوئے گھروں میں یہ کچھ ہو رہا ہو گا لیکن بعض باتیں ایسی تکلیف دہ ہیں کہ جن کا واضح طور پر ذکر کرنا ضروری ہے۔

بعض خاوند ایسے ہیں جو اپنی بیویوں سے نہ صرف یہ کہ درشتی سے پیش آتے ہیں بلکہ ان کو ہمیشہ بدظنی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ گویا یہ عورت چال چلن کی اچھی نہیں ہے حالانکہ ان کے پاس کوئی ادنیٰ سا بھی قرینہ اس بات کا نہیں ہوتا کہ اس عورت کے متعلق کوئی ایسی غلط سوچ

کو وہ اپنے دماغ میں جگہ دے سکیں لیکن اگر واقعۃً ان کو کسی بات کا یقین ہے تو اس کے لئے اسلام نے، اسلامی شریعت نے ایک کھلا رستہ رکھا ہوا ہے جسے اختیار کرنا چاہئے اس رستے کو اختیار کئے بغیر اپنی بیوی کو اس رنگ میں طعنے دینا کہ مجھے کیا پتا یہ اولاد میری ہے بھی کہ نہیں۔ یہ ایک انتہائی بگڑی ہوئی مکروہ صورت ہے اور بعض دفعہ مجھے یہ معلوم کر کے تعجب ہوتا ہے بعض ایسے مرد جو اپنے معاشرہ میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور دینی کاموں میں بھی کسی حد تک شغف رکھتے ہیں۔ اگر عہدہ پاس نہ بھی ہو تو جب ان کو کام کے لئے بلایا جاتا ہے تو وہ آگے آتے ہیں اور ان چہروں میں سے ہیں جو اپنی اپنی جماعتوں میں معروف ہوتے ہیں وہ بھی اپنی بیویوں سے لڑائی کے وقت اس قسم کے نہایت ہی مکروہ کلمات استعمال کرتے ہیں اور بعض دفعہ یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ ان کے بچے ان باتوں کو سن رہے ہیں۔

ایسے حال میں وہ یہ دعا کیسے کر سکیں گے کہ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا **اپنی بیوی کی راہ سے ان کو اولاد کا تقویٰ نصیب ہونا تھا اس تقویٰ کی راہ کو تو انہوں نے ہمیشہ کے لئے برباد کر دیا** جب یہ کہا کہ مجھے کیا پتا ہے کہ یہ اولاد کس کی ہے تو اپنے ہاتھوں سے تقویٰ کی راہوں کو ہمیشہ کے لئے مسدود کر بیٹھے اور پھر ایسی اولاد سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ایسے باپ کا ادب کرے گی اور آئندہ صحیح رستوں پر چلے گی۔ آئندہ زمانے کے معاشرے کے لئے خوشخبریاں لے کے آگے بڑھے گی۔ یہ ایک بالکل عبث توقع ہے اور عملاً یہ لوگ نہ صرف اپنے حال کو تباہ کرتے ہیں بلکہ دور تک مستقبل میں ان کے نفس کی تلخیاں معاشرے میں زہر گھولتی رہتی ہیں۔ پس یہ دعا ایسے لوگوں کو نہ زیب دیتی ہے نہ وہ سوچ سکتے ہیں کہ ہم کریں لیکن جب تک اس دعا کے ذریعے مدد نہ مانگیں، قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری کچھ بھی پرواہ نہیں اور اگر تم دعاؤں کے ذریعہ مجھ سے مدد نہیں مانگو گے تو فرماتا ہے کہ تمہیں میں اس طرح چھوڑ دوں گا کہ گویا مجھے تمہارے عواقب کی کچھ بھی پرواہ نہیں کہ کس حال میں تم کس بدانجام کو پہنچو مجھ سے تمہارا تعلق کٹ گیا اور یہ مضمون اسی دعا کے بعد بیان کیا گیا ہے۔

تو خدا تعالیٰ کے اس آخری فرمان کا اس دعا کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے اور یقین کی حد تک انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ انسانی معاشرتی تعلقات اور خاندانی تعلقات دعا کی مدد کے بغیر کسی طرح سدھر نہیں سکتے۔ انسان کے تعلقات میں بہت سے رخنے ہیں جن رخنوں کی انسان کو بعض دفعہ خبر بھی

نہیں ہوتی اور وہ رخنے خلا پیدا کر دیتے ہیں تعلقات میں اور تعلقات کو کمزور کر دیتے ہیں جیسا کہ بعض دفعہ کل پرزوں میں تعمیر کے وقت بلبلے رہ جاتے ہیں اور جب غیر معمولی دباؤ میں وہ کل پرزے چلیں تو جہاں جہاں وہ بلبلے رہ جاتے ہیں وہاں سے وہ ٹوٹ جاتے ہیں اسی طرح انسانی تعلقات میں بہت سے رخنے ایسے رہ جاتے ہیں جو تقویٰ کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ کمزور مقامات ہمیشہ خطرے کا مقام بنے رہتے ہیں۔ جب کبھی بھی غیر معمولی دباؤ میں انسان آئے اور ابتلاء بڑھ جائیں یا مشکلات نازل ہوں تو ایسے وقت میں ان کمزور جگہوں پر حملہ ہوتا ہے اور پھر رخنے نمایاں طور پر پھٹ کر انسانی تعلقات کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں اور بکھیر دیتے ہیں تو یہ مضمون عمومیت کے لحاظ سے آپ سمجھ لیں تو تفصیل سے جب آپ اپنے تعلقات پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جب بھی تعلقات کسی دباؤ میں آئیں اس وقت انسان کو اپنی کمزوریوں کا پتا چلتا ہے۔اس کے بغیر نہیں پتا چلتا بچہ بیمار ہو، پریشانی ہو، غربت ہو اور ضرورت کی چیزیں پوری نہ ہو رہی ہوں۔ بے وقت مہمان آجائیں یا غریب رشتہ داروں کی مدد کرنی ہو یا ماں باپ ایسے حال میں ہوں کہ ان کو مجبوراً اپنے گھر میں رکھنا ہو۔ یہ سارے وہ امور ہیں جو معاشرے پر دباؤ ڈالتے ہیں اور میاں بیوی کے تعلقات پر دباؤ ڈالتے ہیں۔ وہ بیوی جو اس سے پہلے بہت ہی اچھی دکھائی دے رہی ہوتی ہے۔انسان سمجھتا ہے یہ تو کلیۃً میری وفادار اور میرے ساتھ تعاون کرنے والی اور میری زندگی کا ساتھی ہے۔ وہ خاوند جو بیوی کو ایک فرشتہ دکھائی دے رہا ہوتا ہے اگر وہ پہلے دکھائی دے رہا ہو جب اس قسم کے دباؤ پیدا ہو جاتے ہیں تو اس وقت ان دونوں کے اندرونی رخنے ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور وہی بلبلے ہیں جن مقامات سے پھر یہ تعلقات ٹوٹنا شروع ہوتے ہیں۔

پس انسان کو اپنے اندرونے کا بھی خود پتا نہیں ہے اور اپنے رفیق حیات کے اندرونے کا بھی کچھ پتا نہیں ہے یعنی ان مقامات پر نظر نہیں ہے جو درحقیقت بعض وقت غیر معمولی اہمیت اختیار کر لیتے ہیں اس لئے جو بھی چاہیں آپ تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے کوششیں کریں جب تک دعا سے مدد نہیں مانگیں گے آپ کے تعلقات سدھر نہیں سکتے اور آپ خطرات کے مقام سے باہر نہیں آسکتے۔ اللہ تعالیٰ کی ان باتوں پر نظر ہے اور جب انسانی تعلقات دباؤ میں آتے ہیں تو تقویٰ کام آتا ہے۔اس وقت حسن خلق کام نہیں آیا کرتا کیونکہ اخلاق کی بنیاد بعض دفعہ تقویٰ پر ہوتی ہے اور بعض دفعہ ایک عام

تربیت پر ہوتی ہے۔یعنی دنیا میں ایک انسان کو جس قسم کی طبیعت میسر آئے اس کی وجہ سے اخلاق پر اچھا اثر پڑ سکتا ہے اور بعض قوموں کے جو خدا کی قائل نہیں بھی ہیں اخلاق اچھے ہوتے ہیں لیکن وہ اخلاق جو تقویٰ پر مبنی نہ ہوں، جو خدا کی ذات پر ایمان پر مبنی نہ ہوں وہ دباؤ میں آ کر ہمیشہ بے معنی اور بے حقیقت ہو جایا کرتے ہیں۔پس ظاہری اخلاق کے لحاظ سے آپ کا گھر چاہے جنت بھی بنا ہوا ہو اگر ان اخلاق کی بنیاد تقویٰ پر نہیں ہے تو ہرگز اس جنت کو بقا کی کوئی ضمانت نہیں ہے لیکن اگر تقویٰ پر مبنی ہے تو جتنی زیادہ مشکل پیش آئے اتنا ہی زیادہ انسان کو ایک دوسرے کی خوبیوں کا علم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔مصیبت کے وقت اگر بیوی قربانی کر رہی ہے اور تعاون کر رہی ہے، اگر مشکل کے وقت خاوند قربانی کر رہا ہے اور تعاون کر رہا ہے تو چونکہ یہ تعاون تقویٰ کی بنا پر ہوتا ہے اور معاشرے کے دباؤ کے خلاف ہوتا ہے۔اس وقت انسان کے اندر کے جوہر ایک غیر معمولی جاذبیت کا موجب بن کر ابھرتے ہیں اور ایسے واقعات کے گزر جانے کے بعد میاں بیوی کے تعلقات پہلے سے بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ان میں ایک محبت کا عنصر ہی نہیں رہتا، ان میں گہری قدر کا عنصر شامل ہو جاتا ہے۔

پس اس دعا کو غیر معمولی اہمیت دینے کی ضرورت ہے اور اس کے مضمون کو سمجھنے کی ضرورت ہے جب تک سب سے پہلے آپ کے دل میں یہ نیت پورے یقین، پوری صفائی کے ساتھ اور خلوص کے ساتھ پیدا نہ ہو کہ میں نے اپنے ساتھی سے تسکین کی طلب کرنی ہے اور اپنے مولا سے طلب کرنی ہے۔میں واقعۃً چاہتا ہوں کہ جیسا بھی میرا زندگی کا ساتھی ہے، اپنی برائیوں سمیت جب میں نے اسے ایک دفعہ قبول کر لیا تو میرے بس میں نہیں ہے کہ میں اس سے سکینت حاصل کروں، میں اپنے خدا سے دعا مانگوں گا، یا دعا مانگوں گی کہ تو ہمارے درمیان ایک دوسرے کے لئے سکینت رکھ دے اور ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔

وہ لوگ جن کے تعلقات پہلے ہی اچھے ہوں اور واقعۃً ایک طبعی محبت کے نتیجے میں ایک دوسرے سے وہ سکینت پاتے ہوں جب وہ یہ دعا مانگتے ہیں تو وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا والا حصہ ان کی محبت کے تعلقات میں ایک نیا تعلق پیدا کر دیتا ہے وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا کا ٹکڑا ان کو یاد کراتا ہے کہ آپ کو ایک دوسرے سے جو تسکین ملتی ہے وہ محض ظاہری انسانی تعلقات کی بناء پر ہے اور اس کی تسکین کے نتیجے میں آپ کی اولاد اور آپ کے مستقبل کی کوئی حفاظت نہیں ہو سکتی

جب تک دعا کا یہ حصہ شامل نہ کرلیں کہ وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا اس وقت تک ان تعلقات کا کوئی دائمی فائدہ نہیں ہے۔اگر وہ قائم بھی رہیں اور ابتلاؤں میں نہ بھی ٹوٹیں تب بھی ایسے تعلقات کے نتیجے میں اولاد فیض نہیں پاسکتی جب تک ان تعلقات میں تقویٰ کا عنصر شامل نہ ہو جائے۔

پس دعا کا یہ دوسرا حصہ وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا انسان کی توجہ ان تعلقات کے مآل اور مقاصد کی طرف پھیر دیتا ہے یعنی یہ دعا یہ خیال پیدا کرتی ہے کہ ہمیں صرف حال پر راضی نہیں رہنا چاہئے بلکہ مستقبل کی تلاش کرنی چاہئے اور جب تک ہم متقیوں کے پیش رو نہ بن جائیں اس وقت تک ہمیں آپس کے تعلقات میں خوش ہونے کا کوئی جواز نہیں ہے۔یعنی یہ دعا اس طرف توجہ دلاتی ہے چنانچہ جن کے تعلقات اچھے ہیں ان کے تعلقات میں یہ دعا تقویٰ کے رنگ بھرنے لگتی ہے کیونکہ متقیوں کا امام ہونے کی دعا اس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ اگر تم واقعۃً متقیوں کا امام بننا چاہتے ہو تو تقویٰ میں ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔کیونکہ امامت کا مضمون بتاتا ہے کہ جس چیز میں کوئی انسان امام ہو،اس کا پیش رو ہو،ان باتوں میں وہ سب سے آگے ہو تو یہ دعا صرف ایک دعا نہیں رہ جاتی بلکہ عملاً زندگی کی ایک تشکیل نو میں حصہ لیتی ہے اور وہی مضمون جو میں نے پہلے بیان کیا تھا میاں بیوی کے تعلقات میں وہی مضمون تقویٰ کے لحاظ سے انسان کا قدم عملی دنیا میں آگے بڑھانے لگتا ہے اور جب ایک انسان کہتا ہے کہ مجھے متقیوں کا امام بنا تو اس سے صرف یہ مراد نہیں ہے کہ میری نسلوں میں متقی لوگ پیدا ہو جائیں بلکہ مراد یہ ہے کہ **مجھ میں تقویٰ کے وہ جوہر پیدا فرما اور اس شان کا تقویٰ عطا کر کہ میری اولاد یا ہماری اولادیں واقعۃً ہمیں اپنا امام سمجھیں یعنی ماں باپ ہونے کے لحاظ سے وہ اس بات پر فخر نہ کریں کہ فلاں لوگ ہمارے آباؤ اجداد تھے۔بلکہ تقویٰ کے لحاظ سے وہ یہ بات فخر کے ساتھ بیان کیا کریں کہ ہمارے آباؤ اجداد متقی تھے۔**

یہ وہی مضمون ہے جیسے وہ لوگ جو صحابہ کی اولاد میں سے ہیں آج کل جب ان سے تعارف ہو تو وہ بڑے فخر کے ساتھ اور جائز فخر کے ساتھ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد میں فلاں صحابی تھا ہمارے ننھیال میں فلاں بزرگ تھا جس کو بیعت کی توفیق ملی۔ہمارے ددھیال میں ایسا شخص تھا۔وہ لوگ واقعی متقیوں کے امام تھے ان معنوں میں کہ ہر متقی ان کی طرف منسوب ہونے میں فخر محسوس کرتا ہے مگر بعد میں غیر متقی بھی پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ بھی فخر کرنے لگتے ہیں۔غیر متقی جو اپنے

آباؤ اجداد کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کو عملاً اس مضمون میں کوئی دخل نہیں ہے۔ وہ دائرے کے باہر سے بیٹھے ہوئے ظاہر یہی کرتے ہیں کہ ہم اس دائرے میں ہیں کیونکہ اس دعا میں جب یہ فرمایا گیا کہ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا تو جن کے حق میں یہ دعا مقبول ہوئی ان کی غیر متقی اولاد ان کو اپنا امام کہنے کا حقدار نہیں رہتی۔

اس پہلو سے جماعت احمدیہ کے لئے اس میں بہت گہرا سبق ہے اور وہ یہ ہے کہ آج کے دور میں غیر احمدی ملاؤں سے ہمارا سب سے بڑا جھگڑا یہ چل رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمارے امام زیادہ ہیں یا تمہارے امام زیادہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کلیۃً ہمارے امام ہیں اور تم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اگر تم نے کوئی تعلق ظاہر کیا تو ہمیں اتنا اشتعال آئے گا کہ ہم اس کے بعد حق بجانب ہوں گے کہ اگر تمہارے گھر لوٹیں، تمہاری مسجدیں مسمار کریں اور تمہیں قتل کریں یا تمہارے بچوں کو اذیتیں دیں کیونکہ تم نے ہمارے امام کو اپنا بنالیا اور احمدی یہ کہتے ہیں کہ اصل تو ہمارے ہی امام ہیں۔ اب اس جھگڑے کو کیسے نپٹایا جائے یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایسا جھگڑا تو نہیں جیسے بچے آپس میں لڑتے ہوں کہ ہمارا باپ زیادہ ہے۔ تمہارا باپ زیادہ ہے اور ماں باپ اگر موجود ہی نہ رہے ہوں تو کوئی کس سے پوچھے کہ کس کا کوئی زیادہ تھا۔

اب قرآن کریم نے ہمیں یہ نکتہ سمجھا دیا اور پہچان کی ایک کسوٹی ہمیں عطا کر دی تا کہ آئندہ جب کبھی بھی امت میں یہ جھگڑے پیدا ہوں کہ محمد مصطفی ﷺ کس کے زیادہ ہیں تو یہ آیت کسی کے حق میں گواہ بن کر کھڑی ہو جائے اور یہ بتائے کہ اس کے زیادہ ہیں اس کے نہیں ہیں یا اس کے بالکل نہیں ہیں۔ پس وہ لوگ جو تقویٰ میں ترقی نہیں کرتے ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ دعا کسی اور کے حق میں مقبول ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت رسول اکرم ﷺ کے حق میں لازماً اپنی تمام شان کے ساتھ مقبول ہو چکی ہے۔

پس اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرما دی ہے۔ فرمایا ہے کہ آئندہ کے لئے تم میری نظر میں ہمیشہ متقیوں کے امام ہی رہو گے اور غیر متقیوں سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ پس آنحضرت ﷺ نے اسی دعا کی مقبولیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب یہ فرمایا کہ آئندہ امت میں یہ یہ خرابیاں پیدا ہوں گی تو وہ بد خلق اور ظاہر بین علماء جن کے متعلق فرمایا کہ وہ آسمان کے

نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ان کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ علمائی میرے علماء **علماء هم شر من تحت اديم السمآء** (مشکوۃ کتاب العلم والفضل صفحہ نمبر:۳۸) ایسے بدخلق اور گندے علماء کا میرے سے کیا تعلق؟ میں تو متقیوں کا امام ہوں۔اس لئے یہ غیر متقی جو ہیں، ان لوگوں کے امام ہوں گے جن کے ماننے والے بھی غیر متقی تو اس جھگڑے کا حل پھر کتنا آسان ہو گیا اور کتنا واضح اور کہیں باہر پوچھنے کے لئے جانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ تمام راہنما اور سردار جن کی قوم دن بدن گند میں بڑھتی چلی جارہی ہے اور بداخلاقیوں میں بڑھتی چلی جارہی ہے اور تقویٰ سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں رہا۔جن میں ہر قسم کی بدی عام ہوگئی ہے، جھوٹ عام ہو گیا ہے، فساد عام ہو گیا ہے، ایک دوسرے کے حق مارے جارہے ہیں اور بچے اغواء کیئے جارہے ہیں، معصوم لوگوں کی عزتیں لوٹی جارہی ہیں۔ ہر قسم کے جرائم عام ہیں اور عزت کا نشان طاقت بن چکا ہے۔جس کے پاس طاقت زیادہ ہے، جس کے پاس جتھا زیادہ ہے جس کے ساتھی زیادہ ہیں وہی زیادہ معزز ہے اور اس کا حکم چلتا ہے۔ یہ سوسائٹی متقیوں کی سوسائٹی تو نہیں کہلا سکتی۔

پس ان لوگوں کے امام جو غیر متقی ہیں وہ خود متقیوں کے امام بننے کے کیسے مستحق ہو سکتے ہیں اور یہ سارے مل کر حضرت محمد مصطفی ﷺ کی طرف منسوب ہونے کا کیا حق رکھتے ہیں کیونکہ آپ کو تو خدا نے فرما دیا کہ میں نے تجھے متقیوں کا امام بنایا ہے اور قیامت تک اس امت میں جتنے بھی متقی پیدا ہوں گے محمد مصطفی ﷺ انہیں کے رہیں گے۔ چاہے دنیا سارا زور لگائے مگر ایسا نہیں کر سکے گی کیونکہ قرآن کریم کی یہ آیت ہمیشہ ان کی حفاظت فرمائے گی اور ان کا تعلق حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے دامن سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا کیونکہ وہ تقویٰ میں ترقی کر رہے ہوں گے۔

پس اس پہلو سے اس دعا کے اس رُخ پر بھی نگاہ کریں کہ اس دعا کا بالآخر کیا انجام ہے۔ اس کے دو کنارے ہیں ایک وہ جو مستقبل کی طرف چلنے کا رستہ ہے اور اس میں وہ ذُرّیت ہیں جو ہمیشہ ایک دوسرے کے بعد آتی چلی جائیں گی اور جن کے لئے تقویٰ کی آپ دعا کر رہے ہیں۔

دوسرے امامت کے لحاظ سے یہ دعا ماضی پر اثر دکھاتی ہے اور حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی ذات تک انسان کو پہنچاتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ اگر تم متقی نہ بنے تو اس امام کے غلاموں میں تمہارا شمار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اسے خدا نے ہمیشہ کے لئے متقیوں کا امام بنا دیا ہے۔

پس اس پہلو سے جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا کہ یہ دعا ایک حیرت انگیز طور پر وسیع اثر دکھانے والی دعا ہے اور اس دعا کے بغیر ہم حقیقت میں زندگی کے سانس نہیں لے سکتے کیونکہ مومن کی زندگی کے سانس تقویٰ کی صحت سے تعلق رکھتے ہیں جسے تقویٰ کی صحت نصیب نہ ہو تو جس طرح دمے کے مریض کا دم گھٹ جاتا ہے اس طرح روحانی لحاظ سے اس کا دم گھٹ جاتا ہے۔ پس اس دعا کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں اور دونوں پہلوؤں کے لحاظ سے یعنی مستقبل کے لحاظ سے بھی اور ماضی کے لحاظ سے بھی ہمیشہ سوچ کر اور غور کے ساتھ یہ دعا مانگا کریں اور خدا تعالیٰ سے مدد مانگیں کہ آپ کو وہ متقی بنائے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے غلام بننے کے شایان شان ہوں اور آپ کی اولاد کو ایسا متقی بنائے کہ وہ آپ کی اولاد کہلانے کی شایان شان ہو اور ہمیشہ ہمیش کے لئے یہ تعلقات اسی طرح دونوں سمت میں مضبوط تر ہوتے چلے جائیں۔ لیکن ایک بیچ کا پہلو ہے جس کو اس آیت نے ہمارے سامنے رکھ دیا کہ جن میاں بیوی کے تعلقات ایک دوسرے سے تقویٰ پر مبنی نہیں ان کا نہ ماضی محفوظ ہے نہ مستقبل محفوظ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ **خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی** (ترمذی کتاب المناقب حدیث نمبر: ۳۸۳۰) کہ تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل کیلئے بہترین ہے اور دیکھو میں اپنے اہل کے لئے بہترین ہوں یعنی تم سب میں اس لئے بہترین ہوں کہ اپنے اہل کے لئے بہترین ہوں کہ آپؐ اپنے اہل کے لئے بہترین ان معنوں میں تھے کہ آپؐ نے ان کے تمام حقوق ادا کئے اور ایک حق کا ادنیٰ سا حصہ بھی نہیں رکھا اور اس کے ساتھ ان کے اخلاق کی نگرانی کی اور ہمیشہ مسلسل کی ان کی تربیت کی طرف متوجہ رہے اور بعض دفعہ راتوں کو اٹھ کر اپنی بیٹی کے گھر جایا کرتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ اور ان کو حضرت علیؓ کو نماز کے لئے جگایا کرتے تھے یا تہجد کے لئے جگایا کرتے تھے۔ یعنی ایسا مستقل آپ کو اپنی اولاد کی تربیت کا دھیان تھا یا یوں کہنا چاہئے کہ لگن لگ گئی تھی کہ بلا استثناء کوئی دن ایسا نہیں ہے جب آپؐ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف اور اپنی اولاد کی طرف تربیت کے لحاظ سے توجہ نہ کی ہو تو خَیْرُکُمْ سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ دنیا کے معاملات میں ان کے حقوق ادا کرنے والا بلکہ خَیْرُکُمْ سے مراد یہ ہے کہ اول طور پر دین میں ان کے حقوق ادا کرنے والا اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے والا۔ اس کے بعد جب یہ دعا کی جاتی ہے کہ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ تو اس دعا میں غیر معمولی

تقویت پیدا ہو جاتی ہے، اس کو قبولیت کا پھل لگنے لگتا ہے۔ اگر اس کے بغیر دعا کریں گے تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ دعاؤں کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ دعا وہی مقبول ہوتی ہے جو دل کے جوش کے ساتھ کی جائے اور بسا اوقات یہ دیکھتا ہے کہ دل کے جوش کے ساتھ دعا کر رہا ہے لیکن اس کو پھل نہیں لگا۔ اصل میں دعا کا مضمون بھی بہت باریک اور وسیع ہے اور چونکہ یہ سارا دعا کا ہی مضمون چل رہا ہے اور اس دعا کے مضمون پر ہی یہ آیات ختم ہوتی ہیں اس لئے اس خاص پہلو کی طرف میں آپ کو مزید متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

ایک شخص جس کو دنیا کی حرص ہے وہ روپیہ چاہتا ہے، دولت چاہتا ہے، مکان چاہتا ہے دنیاوی عزتیں چاہتا ہے اس کو طبعی طور پر ایسی دعاؤں کی لگن ہوگی اور ان دعاؤں کے لئے اس کے دل میں ایک طبعی جوش پایا جائے گا اور وہ دعائیں کرتا چلا جاتا ہے اور وہ دعائیں مقبول نہیں ہوتیں۔ آخر کیا وجہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نیکی کی وہ مقامات جن کے لئے اس کے دل میں طبعی جوش نہیں ہے۔ وہ ان مقامات کو حاصل کرنے کے لئے دعا نہیں کرتا اور اپنی ایک عادت مستمرہ یعنی جاری رہنے والی عادت کے ذریعے وہ یہ ثابت کر دیتا ہے کہ میری دعائیں صرف میرے نفس کے لئے ہیں خدا تعالیٰ کے لئے نہیں اور نیکی کی خاطر نہیں۔ مثلاً یہی دعا ہے یہ دعا ایسی ہے جہاں اگر تعلقات خراب ہوں تو دل چاہتا ہی نہیں دعا کرنے کو اور دعا کرنا انسان کو محض اس وقت نصیب ہوسکتا ہے جب وہ خدا کی خاطر اپنی طبیعت کے خلاف دعا کر رہا ہے۔ تو ضروری نہیں ہے کہ طبیعت کے مطابق دعائیں قبول ہوں۔ بعض ایسے مواقع ہیں جہاں طبیعت کے خلاف دعائیں بہت زیادہ مقبول ہوئی ہیں اور ان کے اندر بہت زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی مختلف وجوہات ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی طبیعت کے خلاف نیک باتوں کی خواہش کی وجہ سے دعا کرتا ہے۔ یعنی خواہش سے مراد ہے نیک باتوں کے احترام میں دعا کرتا ہے۔ اللہ کی خاطر وہ ایک نیکی کو حاصل کرنا چاہتا ہے دل نہیں کرتا اس نیکی کو پکڑنے کے لئے کوئی بدی ہے جس میں وہ ملوث ہو چکا ہے اس سے چھٹکارا نصیب نہیں ہوتا اور واقعۃً درد دل کے ساتھ، باوجود اس علم کے کہ جس دن یہ بدی مجھ سے چھوٹی میری زندگی کا مزا ہاتھ سے جاتا رہے گا پھر دعا کرتا ہے تو یہ دعا طبیعت کے خلاف ہونے کی بجائے قبولیت کے زیادہ اہل ہو جاتی ہے۔

پس جہاں مزاج کے اختلاف ہوں جہاں میاں بیوی کے درمیان طبعی دوریاں ہوں۔ ایک

دوسرے کی صورت پسند نہیں، ایک دوسرے کی عادتیں پسند نہیں اور بے شمار ایسی دیواریں ہیں جو درمیان میں حائل ہیں اور پھر اس نیت سے کہ میرا خدا چاہتا ہے کہ میں یہ دعا کروں اور مستقبل کی نسلوں کی حفاظت کی خاطر میرے لئے ضروری ہے، دین کی خاطر میرے لئے ضروری ہے۔ طبیعت پر بوجھ ڈال کر مگر خلوص نیت سے یہ دعا کرتا ہے تو اس دعا میں ویسا ولولہ تو نہیں ہوسکتا جیسے امتحان میں پاس ہونے کی خاطر ایک گھبرایا ہوا اور ڈرا ہوا طالب علم دعا کررہا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ وہ چیخیں مارتا ہے کہ اے خدا! میں تو ذلیل ورسوا ہو جاؤں گا، میرے مستقبل کا انحصار ہے، میں نے سارا سال نہیں پڑھا مگر اب رحم فرما اور مجھے پاس کر دے۔ ایسی دعا میں بظاہر کتنا غیر معمولی جوش پایا جاتا ہے اور یہ دعا جب آدمی ان حالات میں مانگے گا جو میں نے بیان کئے ہیں تو وہ جوش پیدا نہیں ہوگا لیکن اپنے اوپر جبر کر کے وہ دعا کرے گا اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایسی دعا بظاہر جوش میں کمی کے باوجود زیادہ مقبول ہوگی اور ایسی دعاؤں کے طفیل آپ کی دوسری دعائیں بھی قبول ہوں گی۔ یہ نکتہ ہے جس کو آپ کو سمجھنا چاہئے کیونکہ اگر آپ کی دعائیں محض طبعی خواہشات اور تمناؤں کے تابع ہیں تو ایک پہلو سے آپ اپنی ہوا کی عبادت کر رہے ہیں۔ اپنی خواہشات کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ یہ تو جھوٹا ہے۔ خدا تمہاری ان آوازوں کو نہ سنے گا، نہ قبول کرے گا۔

پس بظاہر آپ خدا کو مخاطب ہوتے ہیں مگر جس شخص کی ساری زندگی محض حوائج نفس کے لئے وقف ہو اور اپنی طبعی تمناؤں کی پیروی میں وہ دعائیں کرتا ہو عملاً اس کی دعائیں رائیگاں جاتی ہیں اور ان کا نشانہ خدا نہیں ہوتا ان کا قبلہ کچھ اور ہوتا ہے اور قرآن کریم نے فرمایا ہے یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کی تمنا کو اپنا معبود بنالیا ہے پس بظاہر وہ خدا کا نام لے رہا ہوتا ہے اور حقیقت میں اپنے نفس کی عبادت کر رہا ہوتا ہے۔ اس کی دعائیں کیسے مقبول ہوسکتی ہیں۔ ہاں اگر اس کی دعاؤں کے دائرے میں ایسی دعائیں بکثرت شامل ہو جائیں جس کا اس کے نفس کے رجحانات سے طبعی تعلق نہ ہو اور خالصۃً بنی نوع انسان کی خاطر وہ اپنے نفس کو اس طرف مائل کر کے دعائیں کرتا ہو تو ان دوسری دعاؤں سے شرک کا الزام اٹھ جاتا ہے پھر ایک نیا مضمون ابھرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ ہے خدا کا بندہ۔ جب ایسی باتوں میں بھی دعائیں کر رہا ہے جس میں اس کی خواہش نہیں تو جو طبعی دعائیں خواہش کے نتیجے میں ہوتی وہ بھی پاکیزگی کا رنگ اختیار کر لیتی ہیں اور اسی نظر سے دیکھی جانی چاہئیں تو ایسے لوگوں

کی دعائیں زیادہ مقبول ہوتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کو ایک اور مثال میں اس طرح واضح فرمایا کہ وہ دعائیں جن سے تمہیں ڈرنا چاہئے وہ ضرور قبول ہو جاتی ہیں۔ ان میں ایک ماں کی دعا ہے جو اپنی اولاد کے خلاف ہو۔ دیکھیں کتنا عظیم الشان اور کتنا گہرا نکتہ بیان فرمادیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ ماں کی دعا جو اپنی اولاد کے حق میں ہو وہ ضرور قبول ہوتی ہیں کیونکہ ہر ماں گندی ہو یا نیک ہو پاک ہو یا ناپاک ہو اپنی اولاد کے حق میں تو بعض دفعہ دہریہ بھی ہو تو دعائیں کرتی ہے بے اختیار کرتی ہے، کیونکہ اس کو طبعی محبت ہے وہ دعائیں چونکہ نفس کی خاطر ہیں اس لئے ان کی قبولیت کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ نیک مائیں جب یہ دعائیں کریں گی تو پھر اس لئے مقبول ہوں گی کہ وہ دوسری جگہ بھی اپنی دعاؤں میں خدا کی خاطر التجائیں کرنے کی عادی ہوتی ہیں اس لئے وہ ضرور مقبول ہوں گی۔ اس سے انکار نہیں لیکن مائیں اگر فطرت کے خلاف کسی بچے کو بددعا دیتی ہیں تو اپنے مزاج کے خلاف بات کر رہی ہیں اور دیکھیں اور ایک مثال ایسی ہے جہاں مزاج کے مطابق دعاؤں کی تو ضمانت نہیں دی جاسکتی مگر مزاج کے خلاف دعا کرنے کی ضمانت ہے کہ وہ ضرور مقبول ہوگی۔ تو دعاؤں کے مضمون کو جب سمجھ لیں اور ان کی گہرائی تک پہنچیں تو دعاؤں کے اسلوب آجاتے ہیں۔ دعاؤں کا سلیقہ نصیب ہوتا ہے اور انسان کو سمجھ آجاتی ہے کہ کیوں بعض دفعہ میری عمر بھر کی گریہ وزاری بے کار گئی ہے اور کیوں بعض دفعہ جوش پیدا ہوئے بغیر دل سے ایک خیال اٹھتا ہے اور وہ مقبول ہو جاتا ہے۔

دعاؤں کو بھی تقویٰ کا لباس پہنانا پڑتا ہے۔ یہ ہے آخری نکتہ اور اس کے بغیر دعائیں بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہوسکتیں۔

پس رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا کی دعا کو اس مضمون کو سمجھتے ہوئے مستقل مانگنے کی عادت ڈال لیں اور جب یہ دعا کیا کریں تو اپنے تعلقات پر نگاہ کیا کریں کہ ان کی کیا نوعیت ہے۔ آپ واقعۃً ان کو بدلنے کے لئے تیار ہیں بھی یا نہیں۔ اگر ہیں تو کیا کوشش کر رہے ہیں اور اگر نہیں تو پھر یہ دعا کیوں مانگ رہے ہیں۔ پھر اس دعا کی کوئی حقیقت نہیں رہ جاتی۔ پس اس گہری اور تفصیلی نظر سے جب آپ صداقت کے ساتھ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اس دعا کے ذریعہ اپنے معاشرتی تعلقات اور اہلی تعلقات کو بہتر بنانے کی

کوشش کریں گے تو بلاشبہ مجھے کامل یقین ہے کہ اس دعا کی برکتیں آپ پر آسمان سے بھی نازل ہوں گی اور زمین بھی اگلے گی اور آپ کے گھر دیکھتے دیکھتے جنت نشان بن جائیں گے۔

اس دعا کے بعض اور پہلو ہیں جن کا عمومی قومی تربیت اور جماعتی نظام سے بڑا گہرا تعلق ہے۔اس کے متعلق میں انشاءاللہ آئندہ بیان کروں گا۔